45

امید سے ہی ہر قوم ترقی کر سکتی ہے

(فرمودہ ۲۶- فروری ۱۹۳۲ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

دنیا میں مختلف انسان اپنے لئے مختلف تدابیر تجویز کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان تدابیر کے ذریعہ کامیاب و بامراد ہو جائیں گے یہ تدبیریں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی جائز بھی ہوتی ہیں اور ناجائز بھی بنی نوع انسان کی ہمدردی اور محبت پر بھی مبنی ہوتی ہیں اور ان کی تکلیف تحقیر اور تذلیل پر بھی کوئی شخص دنیا میں ترقی کرنا چاہتا ہے اس طرح کہ وہ ترقی کر جائے خواہ ساری دنیا تباہ اور برباد ہو جائے اور کوئی شخص دنیا میں ترقی کرنا چاہتا ہے اس طرح کہ وہ دنیا میں ترقی کر جائے اور نہ صرف یہ کہ اسے اس امر کی پرواہ نہیں ہوتی کہ باقی دنیا تباہ و برباد ہو بلکہ وہ ترقی کے لئے اس کی بربادی کی کوشش کرتا ہے۔ گویا ایک انسان تو ایسا ہوتا ہے جو دوسروں کی بربادی ایسے وقت میں چاہتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ اب بغیر ان کی بربادی کے میں ترقی نہیں کر سکتا لیکن دوسرا انسان ایسا ہوتا ہے جو خیال کرتا ہے کہ جب تک میں دوسروں کو تباہ نہ کر لوں میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی ساری کوشش اور اس کی ساری سعی اس بات کے لئے صرف ہو جاتی ہے کہ وہ دوسروں کو تباہ اور برباد کرے گویا وہ یہ خیال کر لیتا ہے کہ دنیا اتنی تنگ واقع ہوئی ہے کہ میں دوسروں کو تباہ کئے بغیر ترقی کر ہی نہیں سکتا پھر کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کی تباہی و بربادی تو نہیں چاہتے لیکن باقی دنیا کے ساتھ ان کو کوئی وابستگی بھی نہیں ہوتی۔ اگر دنیا کی تباہی کے ساتھ ان کی ترقی وابستہ ہو تو ممکن ہے وہ اپنے قدم کو ڈھیلا کر دیں۔ ممکن ہے وہ دوسروں کی تباہی کے خیال سے اپنی ترقی کی کوششوں کو کم کر دیں مگر ان میں ایسی خالص ہمدردی نہیں ہوتی کہ وہ

دوسروں کو فائدہ پہنچا سکیں پھر کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو علاوہ اپنی ترقی کے دوسروں کی ترقیات کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور جہاں وہ اپنی ترقیات کے لئے کوشش کرتے ہیں اگر انہیں موقع میسر آجائے تو وہ دوسروں کے لئے ترقیات کی کوشش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے پھر کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نہ صرف خود ترقی کرتے ہیں بلکہ ان کی تمام زندگی اس غرض کے لئے وقف ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور وہ عمر بھر اسی کام میں لگے رہتے ہیں پھر کچھ اور لوگ ہوتے ہیں۔ جو ان سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ بسا اوقات اپنا نقصان برداشت کرلیتے ہیں مگر ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچ جائے۔

پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی ترقی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ان کی زندگی کی ہر حرکت اور سکون اور ان کا ہر کام دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتا ہے ان کے مدنظر اپنی ترقی نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح بنی نوع انسان ترقی کر جائے۔ وہ پہلی جماعت جسکو اپنی ترقی بھی اتنی مدنظر نہیں ہوتی جتنی دوسروں کی تباہی و بربادی ہوتی ہے وہ شیطانوں کی جماعت ہوتی ہے اور وہ آخری جماعت جسے اپنی ذات بالکل بھول جاتی ہے اور جس کے مدنظر محض لوگوں کی فلاح اور بہبود ہوتی ہے انبیاء کی جماعت ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک وسیع طبقہ ہے مؤمنوں کا بھی اور کافروں اور منافقوں کا بھی کسی' کے اندر بدی زیادہ ہوتی ہے اور کسی کے اندر نیکی اور یہ تمام اقسام کے لوگ گذشتہ زمانوں سے اس وقت تک چلے آتے ہیں اور انہی مختلف لوگوں کی وجہ سے دنیا کبھی خوبصورت نظر آتی ہے اور کبھی بدصورت جب کبھی دنیا میں شیطانی تحریکوں کا زور ہوتا ہے وہ نہایت بھیانک شکل اختیار کرلیتی ہے اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں ہے اور جب کبھی رحمانی تحریکوں کا زور ہوتا ہے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ دنیا نہایت اچھی چیز ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا کبھی اس پر تاریکی کا زمانہ نہیں آتا یہ لوگ چونکہ خود اچھے ہوتے ہیں اس لئے انہیں دنیا بھی اچھی نظر آتی ہے اور پہلے لوگ چونکہ خود برے ہوتے ہیں اس لئے انہیں دنیا بھی بری نظر آتی ہے جب اچھوں سے واسطہ پڑتا ہے تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا بڑی اچھی چیز ہے اور جب بروں سے واسطہ پڑتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ دنیا نہایت بری چیز ہے ان تقسیموں کے علاوہ کچھ اور تقسیمیں بھی ہیں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اچھوں میں رہ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بروں میں ہیں۔ اور بعض بروں میں رہ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اچھوں میں ہیں کیونکہ بعض انسان اپنی فطرت

سے ‘بعض اپنی طبیعت سے بعض اپنی عادت سے اور بعض اپنی بیماریوں کی وجہ سے اچھی چیز کو برا سمجھتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جن کی پیدائش ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز میں نیکی ہی نیکی دیکھتے ہیں اور یہ انبیاء کا گروہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدائش سے بھی پہلے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ اس سے نیچے اتر کر بعض لوگ ایسے ہوتے کہ وہ اپنی پیدائش کی وجہ سے تو نہیں لیکن اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایسے واقعہ ہوتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں نیکی دیکھتے ہیں کیونکہ ان کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ ان پر دوسری چیزوں کا ہمیشہ نیک اثر پڑتا ہے پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی عادت ایسی بنالی ہوتی ہے کہ وہ نیکی ہی نیکی دیکھیں۔ ان کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی لیکن انہوں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو ایسا بنالیا ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو دیکھیں اس کا نیک پہلو اُن کے سامنے نمایاں ہو جائے۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی عادت کی وجہ سے تو ایسا نظر نہیں آتا لیکن انہیں ایسے سامان میسر آجاتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو اچھا دیکھتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی فطرت کی وجہ سے ہر چیز کو برا سمجھتے ہیں۔ کچھ اپنی طبیعت کی وجہ سے ہر چیز کو برا سمجھتے ہیں۔ یعنی ان کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ ہمیشہ برا پہلو ان کی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ پھر کچھ لوگ ایسی عادت ڈال لیتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں برائی دیکھیں۔ اور کچھ بیماریوں کی وجہ سے ایسے چڑچڑے ہو جاتے ہیں کہ انہیں ہر چیز بری ہی نظر آتی ہے۔

ایک ہی جگہ بیٹھنے والوں ‘ایک ہی قسم کا کام کرنے والوں اور ایک ہی مقصد رکھنے والوں کو دیکھ لو‘ ان میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ ریل کے کسی کمرہ میں داخل ہو جاؤ‘ تمہیں نظر آئے گا کہ ایک شخص کے چہرہ پر تو مسکراہٹ نمودار ہوگی اور وہ نہایت بشاشت سے کہے گا کہ آیئے تشریف لایئے‘ بہت جگہ ہے۔ مگر دوسرا شخص گھبرایا ہوا نظر آئے گا اور وہ آنے والوں کو یوں سمجھے گا کہ گویا اس پر ایک آفت اور مصیبت آگئی۔ وہ بے اختیار ہو کر چلائے گا کہ ساری دنیا اسی کمرہ میں آگھسی ہے۔ ارے میاں کوئی اور بھی کمرہ ہے یا بس یہی کمرہ رہ گیا۔ یہ دونوں شخص ایک ہی جیسے ماحول میں سے گزر رہے ہوتے ہیں مگر ایک کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا باؤلا کتا ہمیں کاٹنے لگا ہے اور دوسرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا پرانا دوست ہے جو ہم سے ملا ہے۔ یہ اختلاف طبائع میں جو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے انسانی اندازے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ہم صرف انہیں پر انحصار رکھیں تو ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہر جگہ ہمارا اندازہ صحیح ہو تو ہمیں یہ تفاوت نظر نہ آئے جو دنیا میں نظر آتا ہے۔ ایک

شخص کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے میں مرگیا۔ دنیا خراب ہو گئی۔ مجھ پر مصیبتیں ہی مصیبتیں آرہی ہیں۔ مگراسی جگہ ہم ایک دوسرے شخص کو دیکھتے ہیں جو اسی جیسے حالات میں سے گزرتے ہوئے کہتا ہے کہ بڑا آرام ہے' آسائش ہی آسائش ہے۔ تو یہ اختلاف جو ہم کو نظر آتا ہے بتاتا ہے کہ انسان اپنی نسبت غلط اندازے لگالیا کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں ہم سخت مصیبت اور دکھ میں مبتلا ہیں حالانکہ درحقیقت ہم مصیبت اور دکھ میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں ہم آرام اور راحت میں ہیں حالانکہ ہم آرام اور راحت میں نہیں ہوتے۔ پھر بسا اوقات ہم سمجھتے ہیں ہم جہنم میں پڑے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہر قسم کی راحت کے سامان مہیا کئے ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات ہم سمجھتے ہیں ہم جنت میں ہیں حالانکہ ہم دوزخ میں گرے ہوتے ہیں۔ پس اپنے اندازوں سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ انسانی اندازے بہت دفعہ غلط ہو جاتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے انسان کامیابی کے سامان حاصل ہو جانے کے باوجود محض اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ وہ اپنے حالات کا غلط اندازہ لگاتے ہیں اور بہت سے ایسے انسان جنہیں کامیابی کے سامان حاصل نہیں ہوتے' صحیح اندازہ لگانے کی وجہ سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو ایک گُر بتایا ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ باوجود بعض دفعہ غلط اندازہ لگانے کے انسان نقصانات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ میں نے لوگوں کی جو تقسیم بتائی ہے وہ اتنی وسیع ہے کہ انسان بمشکل اسے اپنے زیر نظر رکھ سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ بہت دفعہ ایک انسان بعض مجبوریوں کے ماتحت کسی نقص میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جس کے اندر چڑچڑا پن پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ اپنے اردگرد مایوسی ہی مایوسی دیکھتا ہے۔ ایسا آدمی مجبور ہے کہ غمگین رہے اور کبھی بشاشت و مسرت اپنے اندر نہ پائے کیونکہ وہ جان کر مایوس نہیں بنتا بلکہ بیماریوں نے اسے ایسا کمزور اور اس کے جسم کو اس طرح کھوکھلا کر دیا ہے کہ اس کے اندر چڑچڑا پن پیدا ہو گیا ہے۔ ایسے شخص کا بظاہر کیا قصور ہے۔ اگر وہ ہر چیز میں تاریکی ہی تاریکی دیکھے اور مایوسی اور غم کا شکار ہو جائے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ مایوسی اس سے دور ہو جائے۔ لیکن چونکہ بیماریوں نے اس کے جسم کو نڈھال کر دیا ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ اور ایسی ہی دیگر مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک گُر بیان فرمایا ہے۔ اور وہ ایسا گُر ہے کہ اگر کوئی شخص اسے مد نظر رکھے تو وہ تمام ایسے مضرّات سے محفوظ رہ کر صحیح طور پر

اپنے اندر نیک خصائل پیدا کر سکتا ہے۔ وہ گر کیا ہے؟ وہ وہی ہے جو سورۃ فاتحہ سے شروع کیا گیا ہے۔ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو چاہئے وہ ہمیشہ یہ یقین رکھے اور خوش ہو کہ اس کو خدا نے پیدا کیا ہے اور اس خدا نے پیدا کیا ہے جو کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ اسے ترقی دے کر اونچے مرتبہ پر پہنچائے۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ وہ خدا کسی ایک طبقہ یا جماعت کا خدا نہیں بلکہ تمام قوموں اور ساری جماعتوں کا رب ہے کیونکہ جب کسی شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ خدا کسی خاص قوم کا ہے تو اس وقت لازماً اس کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا کسی خاص فرد کا بھی خدا ہے۔ اگر خدا عیسائیوں کا ہے اور یہودیوں کا نہیں یا مسلمانوں کا ہے اور ہندوؤں کا نہیں۔ یا اگر وہ ان قوموں کے ساتھ اپنے عام سلوک میں فرق کرتا ہے تو پھر انسانوں میں بھی وہ فرق کر سکتا ہے۔ تب بالکل ممکن ہے۔ خدا زید کا ہو مگر بکر کا نہ ہو یا میرا ہو مگر غیر کا نہ ہو اور اگر خدا میرا ہی ہے اور دوسرے کا نہیں تو دوسرے کے لئے مایوسی ہی مایوسی ہے اور وہ کسی وقت خوش نہیں ہو سکتا اور نہ اپنی ہمت بلند کر سکتا ہے کیونکہ وہ کہے گا میرا تو خدا نہیں بلکہ فلاں کا ہے۔ پس قرآن مجید نے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر اس مایوسی کے دروازے کو بند کر دیا کیونکہ مایوسی کے مٹانے کا یہ طریق ہے کہ انسان ہمیشہ اس بات پر یقین رکھے کہ خدا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ وہ ہندوؤں کا بھی خدا ہے اور عیسائیوں کا بھی، مسلمانوں کا بھی اور غیر مسلموں کا بھی، گوروں کا بھی اور کالوں کا بھی، مشرق والوں کا بھی اور مغرب والوں کا بھی، وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا ہے۔ اس کی ربوبیت کی نسبت تمام جہان والوں کی طرف ہے اور وہ تمام بنی نوع انسان کا خدا ہے۔

پس رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر مایوسی کے ایک دروازہ کو بند کر دیا۔ پھر مایوسی کا دوسرا رستہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خیال کرے کہ گو خدا سارے لوگوں اور تمام زمانوں کا خدا ہے لیکن کیا اس کا یہ منشاء ہے کہ وہ ہمیں ترقی دے یا کیا اللہ تعالیٰ میں یہ طاقت ہے کہ وہ ہمارے لئے ترقیات کے سامان مہیا فرمائے۔ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا خدا میں ایسی طاقتیں ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کی مایوسی اور تاریکی کو مٹا کر ان کی ترقیات کے لئے نئے سے نئے سامان پیدا فرماتا ہے۔ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ میں ہی دے دیا کہ رب کے معنی ہیں ایسی ہستی جو ادنیٰ حالت سے ترقی دیتے دیتے انسان کو انتہائی کمال تک پہنچا دے۔ پس جب ہم اپنے خدا کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہتے ہیں تو ہمارے لئے مایوسی کا دوسرا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور ہم یقین کر لیتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ وہ ہمیں ترقی دے کیونکہ وہ ایسی طاقتیں رکھتا ہے کہ معمولی حالت سے انسانوں کو ترقی دیتے دیتے انہیں بلند ترین مقامات پر لے جاتا ہے۔ اگر ہم یقین کریں کہ خدا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے تو خواہ اپنے حالات کے لحاظ سے ہمیں ارد گرد مایوسی ہی مایوسی دکھائی دے پھر بھی ہم اسے اپنا نقص تصور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت ہمارا ہر وقت یہی ایمان ہو گا کہ وہ ہماری مایوسی کو دور کر سکتا اور ہمیں تاریکیوں سے نکال سکتا ہے۔ ایک اندھا شخص اپنی نابینائی کی وجہ سے سورج کو نہیں دیکھ سکتا مگر وہ یہ کہتا ہے کہ گو مجھے سورج نظر نہیں آتا مگر سورج ہے ضرور کیونکہ دوسروں کی شہادت اسے تسلی دے دیتی ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ گو مجھے اپنی ذات میں سورج کی روشنی نظر نہیں آتی مگر سورج سے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ساری دنیا کہتی ہے کہ سورج ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا پر ایمان لاتا ہے اگر اسے اپنے ارد گرد مایوسی اور تاریکی ہی نظر آتی ہے 'تب بھی وہ ہر لحہ اس یقین اور آرزو سے پر ہوتا ہے کہ اس کا ایک خدا ہے جو اسے ترقی دے سکتا اور اس کی تمام کلفتوں کو دور فرما سکتا ہے اور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی صفات نظر نہیں آتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ قدرتوں کا مالک نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں نابینا ہوں۔ اس وجہ سے مجھے اس کا جلال اور اس کی قدرتیں دکھائی نہیں دیتیں۔ پس ایسا انسان بھی مایوس نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اسے بینائی حاصل ہو جائے۔ وہ مانتا ہے کہ ترقیات کے سامان ہیں مگر کہتا ہے مجھے نظر نہیں آتے تب وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں تا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو دیکھ لے۔ لیکن جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا ہے۔ تب بھی اس کے دل میں ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مانا خدا انسانوں کو ترقی دینے کا ارادہ رکھتا ہے اور مانا کہ خدا میں طاقت بھی ہے مگر کیا خدا نے اپنے ارادہ کو عمل میں بھی لانا شروع کیا ہے۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے انسانوں میں ایک خوبی ہوتی ہے مگر ایک وقت ان کی خوبی کا ظہور نہیں ہوا ہوتا۔ اسی طرح یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ بے شک خدا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے مگر کیا اس کی ربوبیت کا ظہور بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس شبہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا دروازہ بند کر دیتا ہے کیونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے احسان نازل ہونا شروع ہو گئے ہیں اور احسان بھی ایسے جو ہر قسم کے انعامات پر مشتمل ہیں۔ پس حمد کا جو لفظ رکھا گیا ہے اس نے اس شبہ کا بھی ازالہ کر دیا۔ مگر چونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک طرف فضل کے

دروازے کھلے ہوں تو ساتھ ہی تباہی اور بربادی کے بھی دروازے کھلے ہوں۔ اس لئے حمد کے ساتھ ال کا لفظ لگا کر یہ بتا دیا کہ اس کے انعامات کے تمام دروازے کھلے ہیں اور تاریکی کے تمام دروازے بند ہیں۔

یہ وہ امید ہے جسے اسلام ہر شخص کے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ وہ امید ہے جس کو لے کر ہر قوم دنیا میں ترقی کر سکتی ہے۔ وہ لوگ جو دینی لحاظ سے مایوس ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی روحانیت ترقی نہیں کر سکتی ان کی بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ڈھارس بندھاتی ہے اور وہ لوگ جو دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں خواہ وہ سیاسی ہوں یا تمدنی' ان کو بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ امید دلاتی ہے۔ مایوسی ان سے دور کرتی ہے اور انہیں یہ یقین دلاتی ہے کہ تمہاری منزل تمہارے قریب ہی ہے۔ پس ہمارے لئے ترقی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے حالات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مدنظر رکھیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارا واسطہ اللہ تعالیٰ سے کس قسم کا ہے۔ یہ وہ گر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ میں ہمیں بتایا۔ اسی طرح فرماتا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ[1] میری رحمت تمام چیزوں پر حاوی ہے اور فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[2] میں نے جن وانس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے تا وہ میری عبادت کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیدائش انسانی کی غرض بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو خدا ترقی دینا چاہتا ہے۔ اور وہ خدا جو ترقی دینا چاہتا ہے مایوسی کو کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْتَ[3] سوائے موت کے دنیا کی کوئی ایسی مرض نہیں جس کا خدا نے علاج پیدا نہ کیا ہو۔ اور موت کا دروازہ اس لئے نہیں بند کیا کہ اگلے جہان کی ترقیات اس جہان میں انسان کو حاصل نہیں ہو سکتیں اور اگر ہو جائیں تو ایمان لانے کا فائدہ نہیں رہتا۔ فرض کرو اس وقت رسول کریم ﷺ دنیا میں موجود ہوتے اور ابو جہل بھی موجود ہوتا اور لوگ دیکھتے کہ ابو جہل دوزخ میں جل رہا ہے اور رسول کریم ﷺ جنت میں ہیں تو کفر و ایمان کا امتیاز جاتا رہتا اور ہر شخص جو ابو جہل کو دوزخ میں جلتا دیکھتا کبھی رسول کریم ﷺ کے انکار کی جرأت نہ کر سکتا مگر اس طرح ایمان لانے کا اجر نہ رہتا۔ پس ایمان کے ساتھ اخفاء کا پہلو بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ سورج دنیا کو روشنی پہنچاتا ہے تو یہ ایمان بے کار ہے کیونکہ سورج ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے۔ پس سورج پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر رسول کریم ﷺ کو جنت میں اور ابو جہل کو دوزخ میں دیکھ کر

لوگ ایمان لاتے تو ان کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور وہ روحانی ترقیات سے محروم رہتے۔ پس چونکہ ایمان اپنے ساتھ بعض مخفی امور بھی رکھتا ہے اور اگر اس جہان میں ان روکوں کو ہٹا کر سب کچھ سامنے رکھ دیا جاتا تو ترقیات حاصل نہ ہو سکتیں اور انسانی پیدائش کی غرض باطل ہو جاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے موت کا دروازہ کھلا رکھا اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ إِلَّا الْمَوْتَ ہر بیماری کی دوا ہے مگر موت کی نہیں۔ کیونکہ موت بیماری نہیں بلکہ ترقیات کا زینہ ہے۔ پس جب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر مصیبت کا علاج رکھا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہوں کیونکہ جس وقت کوئی شخص مایوس ہو جاتا ہے اس وقت وہ خدا سے دور ہو جاتا ہے۔ شیطان کے قریب ہو جاتا ہے اور شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وہ ہلاکت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے متعلق فرماتا ہے کہ ہم مغفرت اور رحمت کی طرف بلاتے ہیں۔ پس جہاں کسی کے دل میں مایوسی پیدا ہو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شیطان کے قریب ہو رہا ہے اور جب کسی کے دل میں امید اور امنگ پیدا ہو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدا کے قریب ہو رہا ہے۔ مگر ایک بات ہے جس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور وہ یہ کہ اگر دل میں امنگ پیدا ہو اور اس کے ساتھ ہی بے فکری کا خیال پیدا ہو تو یہ امنگ بھی شیطانی ہوگی کیونکہ شیطان کا یہ بھی کام ہے کہ وہ جھوٹے وعدے دے کر لوگوں کو غافل اور گمراہ کرتا ہے۔ لیکن جب امنگ پیدا ہو اور اس کے ساتھ ہی کام کا جوش بھی پیدا ہو اور جب امید ہو تو ساتھ ہی اور زیادہ جوش سے کام کرنے کا خیال پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ امید اور امنگ خدا کی طرف سے ہے۔ وہ قومیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ ہم آپ ہی آپ دنیا میں جیت جائیں گی انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شیطان کے قبضہ میں ہیں۔ اور وہ قومیں جو یہ کہتی ہیں کہ ہم محنت اور کام کرنے میں دوسروں سے پیچھے نہیں رہیں گی اور ہم زیادہ سے زیادہ کام کرتی چلی جائیں گی انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدا کے قبضہ میں ہیں۔

پس امیدیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ امید جو شیطان کی طرف سے آتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ امید دلائی جاتی ہے کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی امید کی دوسری صورت وہ توکل تھا جو "فیج اعوج" میں مسلمانوں نے اختیار کیا اور جس کی وجہ سے وہ ذلیل ہو گئے۔ مسلمانوں نے خیال تو کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں مگر اسکے ساتھ انہوں نے محنت کرنی چھوڑ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برباد ہو گئے۔ یہ شیطانی امید تھی۔ دوسری امید وہ ہے جو رسول کریم

ﷺ کے زمانہ میں صحابہ میں نظر آتی ہے کہ باوجود توکل کا مقام اختیار کرنے کے وہ محنت و مشقت کے کاموں کے عادی تھے اور پوری سعی اور کوشش کرتے تھے۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مردم شماری کی جائے اور پتہ لگایا جائے کہ مسلمان کس قدر ہیں۔ جب مردم شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسلمان سات سَو ہیں۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ یہ مردم شماری آپ نے کیوں کروائی۔ اور پھر کہنے لگے کیا اب بھی ہم کو کوئی ہلاک کر سکتا ہے۔ اب ہم سات سو ہو گئے ہیں[۴]۔ یہ وہ امید تھی جو صحابہ کے اندر نظر آتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کے اندر اس قدر ہوشیاری بھی پائی جاتی تھی کہ ایک دفعہ رات کو معمولی سا شور ہوا سارے صحابہ ہتھیار بند ہو کر باہر نکل آئے اور بعض مسجد میں جمع ہو گئے۔ رسول کریم ﷺ کو جب پتہ لگا تو آپؐ نے فرمایا وہی لوگ زیادہ ہوشیار تھے جو مسجد میں جمع ہوئے کیونکہ مسجد مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے[۵]۔ غرض معمولی سے شور پر تمام صحابہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ مسلمانوں پر بڑی سے بڑی مصیبتیں آتی ہیں اور وہ ہاتھ تک ہلانا عار سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ آپ ہی آپ سب کچھ ہو جائے گا۔ یہ وہ امید ہے جو قوموں کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

میں اپنی جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں ہمیشہ یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ وہ جس کو امید سمجھتے ہیں' وہ ان کی سستی ہوتی ہے۔ اور جس کا نام توکل رکھتے ہیں وہ انکی بے عملی کا نشان ہے۔ آپ لوگوں کو ایسی محنت اور مشقت سے کام کرنا چاہئے کہ وہ باقی لوگوں سے مقابلہ میں بہت بڑھ کر ہو۔ اگر دوسری قوموں کے لوگ پانچ گھنٹے کام کر کے خوش ہوتے ہیں تو آپ لوگ سات گھنٹے کام کر کے خوش ہوں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ وہ عمل جس کے ساتھ سستی چھا جاتی ہے عمل نہیں۔ عمل وہی ہے جس کے ساتھ بشاشت پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا[۶]۔ یعنی مومن کام کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے دلوں میں چستی اور امنگ بھی پیدا ہوتی ہے وہ عمل کرتے ہیں مگر اس کے بعد وہ سست نہیں ہو جاتے۔ بلکہ بشاشت قلبی کے ساتھ اور زیادہ کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پس آپ لوگ اللہ تعالیٰ پر توکّل کریں مگر محنت اور تدبیر میں مخالفوں سے بڑھ کر رہیں۔ اگر دوسرے لوگ دس گھنٹے کام کرتے ہیں تو آپ لوگوں کو بارہ گھنٹے کام کرنا چاہئے۔ اور اگر دوسرے اپنی آدھی قوتوں کو کام میں لاتے ہیں تو آپ لوگوں کو اپنی ساری قوتیں صرف کر دینی چاہئیں۔ اگر آپ لوگ یہ طریق اختیار کریں تو پھر آپ کا حق ہے کہ آپ توکّل کریں۔ اور پھر قلیل

سے قلیل عرصہ میں آپ دنیا پر غالب آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ؕ۷ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے گروہ ہوتے ہیں مگر بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آجاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے اگر مجھے چالیس کامل مومن مل جائیں تو میں دنیا پر غالب آجاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آج اس نے لاکھوں ایسے اشخاص پیدا کر دیئے ہیں جو آپ کی نہیں بلکہ آپ کے خدام کی آواز پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پس صحیح طریق پر اپنی کوششوں سے کام لو اور یقین رکھو کہ دنیا کی بادشاہتیں بھی تمہارے ارادوں میں روک نہیں بن سکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا چاہیئے مگر سستوں والا ایمان نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے اور امید باندھ لی کہ اللہ تعالیٰ مدد کرے گا۔ بلکہ ان لوگوں کی طرح جو کام کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ وہ شخص جس نے کچھ کیا ہی نہیں اس کا حق نہیں کہ وہ خدا پر توکّل کرے بلکہ خدا پر توکّل کرنے والا وہی ہے جو پہلے کام کرے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو صحیح الفاظ میں وہی سچا مؤمن اور وہی سچا متوکّل ہے۔

پس محنت سے کام کرو، اپنی ہمتوں کو بلند کرو۔ اور یقین رکھو کہ اب دنیا کی نجات تم سے وابستہ ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تمہیں فاقے آتے ہیں، یہ مت خیال کرو کہ تم غریب ہو، بلکہ یاد رکھو کہ آئندہ بادشاہ بھی تمہارے ذریعہ نجات پانے والے ہیں۔ پس ہوشیاری سے کام لو اور اس یقین اور توکّل کے ماتحت کام کرو کہ دنیا کی نجات آپ لوگوں سے وابستہ ہے۔ اگر آپ لوگ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے خود اُتر کر لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کر دیں گے۔ وقت آگیا ہے کہ تمہیں ترقیات ملیں مگر ضرورت ہے کہ آپ لوگ اپنی اصلاح کریں اور صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ پر توکّل اختیار کریں۔

(الفضل ۳۔ مارچ ۱۹۳۲ء)

۱؎ الاعراف: ۱۵۷　　۲؎ الذّٰریٰت: ۵۷

۳؎ مسلم کتاب السلام باب لکل داء دواء و استحباب التداوی

۴؎ مسلم کتاب الایمان باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف

۵؎

۶؎ النّٰزعٰت: ۲، ۳　　۷؎ البقرۃ: ۲۵۰